معیارِ عمل

www.shahjee.net

سید ریاض حسین شاہ

ناشر

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، خیابان سرسید کالونی، راولپنڈی

نام کتاب ..... معیارِ عمل
نام مصنف ..... سیّد ریاض حسین شاہ
کتابت ..... غضنفر علی قریشی
سال اشاعت ..... جنوری ۱۹۹۶ء
تعداد ..... ایک ہزار
ناشر ..... ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، راولپنڈی
قیمت .....

www.shahjee.net

بنیادی عقیدہ

- اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔
- محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور معصوم عن الخطاء ہیں۔
- قرآن مجید اللہ کی کتاب، ہمارا ضابطہ، حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاوں اور لغزشوں کا پتلا ہے اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے وقت پھسل جائے۔ دوران مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیجئے ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلے میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ ابْنِ
الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِاِمْرِئٍ
مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا
اَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا
هَاجَرَ اِلَيْهِ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَمُسْلِمٌ)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک قول علوم اور معارف کا ایک بے مثل خزینہ ہے۔ علی بن مدینی محدث فرماتے ہیں کہ اس کی صحیح ترین سند وہ ہے جسے امام بخاریؒ نے یحییٰ بن سعید انصاری کے واسطہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس نور آفرین حدیث شریف کو جہاں یحییٰ ابن سعید سے سات سو راویوں نے نقل کیا۔ وہاں امام مالکؒ امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک۔ لیث بن سعد حماد بن زید، شعبہ، امام احمد اور ابن عیینہ جیسے اخیار اور کبار علماء نے روایت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ محدثین کے ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کیف پرور حدیث، حدیث عمر کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اس حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیائے علم کے درخشندہ ستارے امام بخاری نے اپنی "الصحیح" کا آغاز اسی سے کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی فرمایا کرتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی جس کتاب کا بھی آغاز کروں اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے اس قولِ برکت افزا سے شروع کروں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم کا تیسرا حصہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قولِ رحمت فروغ میں پنہاں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا اس حدیث شریف کے بارے میں خیال یہ تھا کہ اسلام کا مدار جن تین احادیث پر ہے ان میں سے ایک اِنّما الاعمال بالنیات ہے۔ اسحٰق بن راہویہ نے ایک مرتبہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ چار احادیث اصول دین سے ہیں۔ ایک انما الاعمال بالنیات، دوسری الحلال بیّن والحرام بیّن، تیسری ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما" اور چوتھی "من صنع فی امرنا شیاء ما لیس فیہ فھو ردّ"، حضرت عثمان بن سعید بن عبید کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے تمام علوم من احدث فی امرنا، والی حدیث میں اور دنیا کے تمام علوم انما الاعمال بالنیات میں پوشیدہ رکھے ہیں۔ ابوداؤد نے فرمایا کہ میں نے مسند امام احمد میں چار ہزار احادیث پڑھیں اور جب سوچا کہ ان کا خلاصہ کیا ہوسکتا ہے تو میری نظر حدیث عمر پر جا پڑی۔ انہی کا ایک قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ لاکھ حدیثیں نقل کیں اور ان کا جب خلاصہ لکھا تو وہ تقریباً چار ہزار کے لگ بھگ تھا اور پھر جب اس ذخیرہ کو بھی ملخص کرنا چاہا تو میری نظر انما الاعمال بالنیات پر جا کر ٹھہری۔ اسی طرح امام قاضی عیاض نے بھی اس حدیث کو دین کا تہائی حصہ قرار دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پوری طرح سمجھنے کے لئے طبرانی کی وہ روایت جان لینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا جس میں ان حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مقدس الفاظ ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ شریف کا ماحول جب مشرکین کی معاندانہ کارروائیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے تنگ ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذنِ الٰہی سے تمام اہل ایمان کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن مشرکین کی

یقین دہانی سے مسلمان مکہ شریف واپس ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نوازیوں اور آپ کے صحابہ کے مسلسل برداشت کے باوجود کفار کے رویہ میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی بلکہ مسلمانوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے میں وہ پہلے سے زیادہ شہ زور ہو گئے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو کوئی ایسی جگہ میسر آئے جہاں وہ سکون، اطمینان اور پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کا نظام پوری طرح نافذ کر سکیں۔ چنانچہ بتائیدِ الٰہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب ہجرت کے لئے مدینۃ المنورہ کا انتخاب فرمایا اور نہ صرف آپ کے صحابہ مکہ شریف چھوڑ کر مدینہ چلے گئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بنفسِ نفیس مدینہ شریف تشریف فرما ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ایک طرف کفار کے خلاف جانگسل اور فیصلہ کن جہاد فرما رہے تھے دوسری طرف اپنی جماعت کے تمام اراکین کی معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے۔ آپ کو خبر ملی کہ ایک شخص نے ترکِ وطن اللہ کی رضا اور میری خوشنودی کے لئے نہیں کیا بلکہ وہ ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس عورت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اگر مدینہ آجائے تو شادی ہو سکتی ہے۔ اس سفلی مقصد کے لئے اس نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ترکِ وطن کر لیا۔ صحابہؓ جو نیتوں کو صاف اور حسین رکھتے تھے، نہایت حساس واقع ہوئے تھے اس شخص کو مہاجر اُم قیس کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ تھے وہ حالات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے، ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ ایک شخص جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اس کے رسولؐ ہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور وہ شخص جو عورت کے لئے یا دنیا کے لئے ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اپنی نیت کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

ابن رجب حنبلیؒ اور ابن حجرؒ نے بعض علماء سے روایت کرتے ہوئے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے۔ لیکن علمائے متاخرین نے پورے وثوق کے ساتھ اپنی کتابوں میں

اسے نقل کیا ہے۔ ابنِ رجب کی جامع العلوم سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کے وجود سے منکر نہیں بلکہ اس کی نوعیت سے انہیں اختلاف ہے۔ تاہم وردِ حدیث کے باب میں اس روایت کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ صدر حدیث شریف کے تواتر میں علماء مضطرب ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حدیث میں کوئی فرق ہے۔ علماء کا حدیث کو متواتر نہ سمجھنا۔ سندِ حدیث میں حضرت عمرؓ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک رواۃ کا تفرد ہے۔ ورنہ تواتر بالمعنیٰ سے تو آج تک کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حدیث شریف کے عمود میں دو چیزیں داخل ہیں۔ ایک نیت اور دوسری ہجرت فی سبیل اللہ۔ پہلے ہم نیّت اور اس سے اٹھنے والے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔

نیّت کا لغوی معنی

تاج کا مصنف لکھتا ہے کہ "النیّت سے مراد وہ سمت ہوتی ہے جس کی طرف سفر کیا جائے۔ اسی طرح "النوی" اس گڑھے کو بولتے ہیں جو خیموں کے گرداگرد اس لئے بنا دیا جاتا ہے تاکہ پانی خیموں کے اندر نہ آسکے۔ اس اعتبار سے نیت کا مفہوم "متمیز کرنا" سامنے آتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی عمل کی طرف دِل سے توجہ کرنا نیّت کہلاتا ہے۔ "نواۃ" گٹھلی کو بھی کہتے ہیں۔ گٹھلی چونکہ پھل کھانے کے بعد پھینک دی جاتی ہے۔ اس سے نیّت کا معنیٰ الگ کرنا، علیحدہ کرنا وغیرہ آتے ہیں "ناد" اس فربہ اور موٹے اونٹ کو کہتے ہیں جس کی طرف اکثر لوگ "بار برداری" کے لئے توجہ کرتے ہیں "منتھی الارب" میں ہے کہ تنویۃ "کسی کام کے جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ صاحبِ محیط لکھتے ہیں کہ حصولِ منفعت اور دفعِ ضرر کے لئے دِل کو کسی مناسب کام کے لئے آمادہ کر لینا نیّت کہلاتا ہے۔ اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیّت کے لغوی

مفہوم میں قصد کرنا، آمادگی رکھنا، علیحدہ ہونا، متمیز کرنا اور آرزومند ہونا ایسے تمام ہی مفہومات شامل ہیں۔

نیت کی اصطلاحی تعریف

اس کے برعکس علماء نیت کو دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک تو عبادات میں تمیز پیدا کرنا ہے۔ جیسا نماز ظہر کو نمازِ عصر سے متمیز کر دینا یا رمضان کے روزوں کو دوسرے روزوں سے الگ کرنا جیسے غسل جنابت اور غسل نظافت میں تمیز پیدا کرنا وغیرہ۔ فقہا کے ہاں اکثر نیت سے مراد یہی ہوتی ہے۔

نیت کا دوسرا اصطلاحی مفہوم عمل میں مقصود کے اعتبار سے تمیز پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یعنی یہ دیکھنا ہے کہ کونسا عمل اللہ عزّوجل کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہے اور کون سا عمل اس داعیہ سے محروم ہے۔ زہاد اور عارفین کے نزدیک اکثر نیت سے مراد یہی ہوتی ہے۔ احادیث میں رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے نیت اور ارادہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ بجا ہے کہ نیت اور ارادہ میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ لیکن محدثین اور فقہاء نیت اور ارادہ میں تھوڑا سا فرق بھی کرتے ہیں۔

نیت اور ارادہ میں فرق

نیت اور ارادہ کے مفہومات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ نیت کی طرح ارادہ کا معنیٰ و مطلب بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تاج۔ محیط اور لسان العرب نے جو کچھ اس باب میں لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارادہ درحقیقت رود سے ماخوذ ہے جس کا مطلب بار بار آمد و رفت کا ہوتا ہے۔ اسی سے الرائد چکی کے دستے کو کہتے ہیں اور رائد العین وہ کچرا ہوتا ہے جو آنکھ میں پڑ جانے کے بعد ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر حرکت کرتا رہتا ہے۔ منتھی الارب کے مصنف نے لکھا رود کسی کام

کے لئے حرکت کرنے کو کہتے ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے ارادہ کا جو مطلب سامنے آتا ہے وہ کسی چیز کی طرف جھکنا یا کسی امر کی طرف رجحان کا پایا جانا ہوتا ہے۔

طلب اور ارادہ میں فرق

کسی چیز کی طرف میلان کا پایا جانا دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو وہ صرف دِل میں پوشیدہ ہوتا ہے اور یا پھر عمل سے یا کسی دوسری کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے اگر تو خواہش عمل کا روپ دھارلے یا کیفیت سے ظاہر ہو جائے تو اسے طلب سے تعبیر کر دیتے ہیں اور اگر وہ دل ہی میں مضمر رہے تو اسے ارادہ سے معبّر کر دیا جاتا ہے۔ البتہ طلب اور ارادہ کبھی کبھار ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

رجوع الی المقصد

ہماری گفتگو کا اصل موضوع نیّت اور ارادہ میں فرق واضح کرنا تھا۔ ارادہ کے معنوی اور لغوی مصادر سے جو مفاہیم ہمارے سامنے آئے وہ کسی چیز کی طرف میلان اور رجحان وغیرہ کا رکھنا ہے۔ یاد رہے کہ ارادہ اور نیت میں نسبت عموم خصوص مطلق ہے۔ ہر نیت ارادہ کا مفہوم رکھتی ہے۔ لیکن ہر ارادہ نیت نہیں ہو سکتا۔ علامہ زبیدی حنفی نے احیاء العلوم کی شرح میں لکھا کہ طبعی امور میں کسی چیز کی خواہش رکھنا یا طبعاً کسی امر کی طرف متوجہ ہونا یہ ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن تشریعی امور میں تعبّداً کسی کام کو کرنا یا کسی کام سے رک جانا جب کہ ارادہ بھی اس میں شامل ہو نیت کہلاتا ہے۔ مثلاً کھانے سے رکنا کبھی ڈاکٹر کی تلقین پر ہوتا ہے اور کبھی خدا کی رضا کے لئے۔ روزہ رکھتے ہوئے کھانے سے باز رہا جاتا ہے۔ اوّل الذکر صورت میں میلان و رجحان ارادہ کہلائے گا۔ اور ثانی الذکر صورت میں میلان کا نام نیت ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن کثیر نے اس باب میں جو کچھ رقم فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیت فقط وہ ہوتی ہے جس میں عبادت کو غیر عبادت سے، عادت کو عبادت سے اور عبادت کو عبادت سے متمیز کیا جاتا ہو نیت کی انہی معنوی

باریکیوں کو امام غزالیؒ نے خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ ایک مثال دیتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہو جسے کوئی دھکا دے اور وہ اوندھے منہ جا گرے اور ایک دوسرا آدمی ہو جو خود بخود لیکن بغیر کسی ارادۂ تعبدی کے پیشانی زمین پر رکھ دے اور ایک تیسرا شخص ہو جو اللہ کی رضا کے لئے تمام شروط و قیود کے ساتھ پیشانی زمین پر رکھے۔ ان میں نیت کا مفہوم صرف تیسری ہی صورت میں پورا ہو گا۔ اور عارفین کے نزدیک تیسری صورت میں بھی نیت تبھی ہو گی جبکہ اخلاص کی تمام جہات اس کے اندر پائی جائیں گی۔

ارادہ اور عزم میں فرق

لفظ ارادہ پر اس سے پہلے تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عزم اور قصد پر تھوڑی سی گفتگو کر لیں۔

امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں لکھا ہے:

اَلْعَزْمُ وَالْعَزِیْمَۃُ عَقْدُ الْقَلْبِ عَلٰی اِمْضَاءِ الْاَمْرِ یعنی کسی کام کے کر لینے پر دل کا پختہ ارادہ کر لینا۔ ایفائے عہد کے معنوں میں بھی عزم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "اعتزام" کا معنی کسی سیدھے راستہ پر بغیر ادھر ادھر مڑے چلتے رہنا ہوتا ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ "عزم" کا مطلب کسی معاملہ کو قطعی اور حتمی طور پر کرنا ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے بعض مقامات بھی اسی مفہوم کے موید نظر آتے ہیں۔ مثلاً سورۃ "البقرہ" میں اللہ رب العزۃ کا ارشاد ہے:۔

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے اس کا ارادہ پختہ نہ پایا

ارادہ اور عزم میں فرق باعتبار وقوع نہیں بلکہ بلحاظ کیفیت ہے۔ ارادہ میں وہ پختگی نہیں ہوتی جو "عزم" میں پائی جاتی ہے۔ یا اسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ "عزم" ارادہ ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ارادہ میں یک گونہ کیفیت گومگو کی ہوتی ہے اور "عزم" میں آدمی کسی معاملہ کو نبھانے میں متزلزل نہیں ہوتا۔

قصد کا مفہوم

ارادہ، طلب اور نیت ہی کے مترادف ایک لفظ چونکہ قصد کا بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا مفہوم و معنیٰ بھی دقت نظر سے دیکھ لیا جائے۔ "منتہی الارب" کے مصنف "قصد" کا معنیٰ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "شکستن چیزے کہ بنصف رسد" کسی چیز کو اس طرح توڑنا کہ وہ دو برابر حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ اسی سے لغت عرب میں "قصد" کا لفظ "اعتدال روی" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ارادہ کرنا اور اعتماد کرنا بھی قصد کے لغوی مفہومات ہیں۔ "قصد" پر جو کچھ علمائے لغت نے لکھا اس سارے مواد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ارادہ جو کیفیت اور ثمر ہر اعتبار سے محمود ہو۔ قصد کہلاتا ہے جبکہ ارادہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے نکلنے والا نتیجہ محمود ہی ہو۔

قصد، نیت اور طلب میں فرق

اب تک کی بحث سے اگرچہ ان تینوں اصطلاحات کے مفہوم واضح ہو گئے ہیں لیکن محولہ اصطلاحوں میں فرق کا وہ اسلوب جسے علمائے قدیم اکثر اختیار کرتے ہیں ابھی تک بیان میں نہیں لایا گیا۔ شراح حدیث فرماتے ہیں کہ ایسا ارادہ جو فعل سے مقدم ہو "عزم" کہلاتا ہے۔ جیسے "حج کے لئے ہم کل روانہ ہوں گے"۔ یہاں روانگی کا ارادہ حج پر جانے سے مقدم ہے اور ایسا ارادہ جو فعل سے متصل ہو وہ قصد کہلاتا ہے جیسے محولہ مثال میں حج کا وہ ارادہ جو عین احرام کے وقت پایا جائے۔ اسی طرح وہ ارادہ

جو فعل سے متصل بھی ہو اور مقترن بھی اور ساتھ ہی اس فعل کے بارے میں یہ علم بھی حاصل ہو کہ وہ کیوں کیا جا رہا ہے نیت کہلاتا ہے۔ مثلاً حج پر روانہ ہونے والے کے لئے ارادہ کا فعل کے ساتھ مقترن رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ جان لینا کہ حج اللہ کی طرف سے بندوں پر ایک ذمہ ہے جسے محض اس کی رضا کے لئے پورا کیا جا رہا ہے

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات"

کی معنوی توجیہات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مبارک حدیث کے محولہ ٹکڑے کو سمجھنے کے دو انداز ہیں ایک فقہا کا اور دوسرا عارفین کا۔ فقہا اور محدثین کا وہ طبقہ جو امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد ہے اس کا خیال ہے کہ "الاعمال" کے بعد "تثاب" مقدر ہے یعنی اصل عبارت یہ ہے "اِنّما الاعمال تثاب بالنیّات" یعنی اعمال کا ثواب موقوف ہوتا ہے نیتوں پر۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ "الاعمال تصح بالنیّات" یعنی اعمال کا صحیح ہونا نیتوں پر موقوف ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک نیت کے بغیر کوئی عمل درست ہی نہیں ہوتا اور احناف کے نزدیک "منصوص علیہ" امور کے علاوہ اعمال نیت کے بغیر ٹھیک تو ہوتے ہیں لیکن ان پر ثواب نہیں ملتا۔ اسی بنیادی اصول کی بناء پر فقہا کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے۔ لیکن اعمال کے لئے نیت کے محمود ہونے سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ عوام کے لئے اس میں یہی سبق ہے کہ وہ اعمال کے شروع میں نیت کر لیا کریں۔

اعمال کی اقسام نیّت

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اعمال کی تین اقسام نقل کی ہیں۔ طاعات، معصیات اور مباحات۔ طاعات میں نیت مؤثر بھی ہوتی ہے اور نیت کرنی بھی

چاہیے۔ لیکن معصیات میں نیت مؤثر نہیں ہوتی بلکہ گناہ کے کام پر نیتِ حسن یا حسن نیت بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو ارتکابِ معصیت بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو جاہل صوفی بھی تصور کرتے ہیں۔ حسن نیت سے کبھی بھی گناہ کا کام اچھا نہیں ہوسکتا۔ شبیر احمد عثمانی نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ مسجد بنانے کی نیت سے چوری کرنا تھوڑا ہی چوری کو محمود بنا دیتا ہے باقی رہے مباحات تو ان میں نیت مؤثر ہوتی ہے۔ جیسے نفلی عبادات جن میں بندہ کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کی نیت سے اگر کی جائیں تو باعثِ اجر و ثواب بن جاتی ہیں۔

انما الاعمال بالنیّات کی دوسری توجیہہ

ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں "الاعمال بالنیات" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں کے اچھا یا فاسد ہونے پر ہوتا ہے۔ یعنی عمل اچھے جب ہی ہوتے ہیں جبکہ نیتیں اچھی ہوں۔ نیّات اچھی نہ ہوں تو اچھے عمل بھی اچھے نہیں رہتے۔ اس توجیہہ کے مطابق اعمال کے مقبول ہونے کے لئے حسن اخلاص ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا :۔

لا ینفع قول الّا بعمل و لا ینفع قول و لا عمل الا بالنّیة
و لا ینفع قول و لا عمل و لا نیه الا بما وافق السنّة

کوئی قول نفع مند نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ عمل شامل نہ ہو اور کوئی قول اور کوئی عمل منفعت خیز نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے ساتھ نیت شامل نہ ہو اور کوئی قول عمل اور نیت نفع نہیں دے سکتی جب تک کہ سُنّت کے موافق نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ سے فرمایا کہ تو اپنی

بیوی کے منہ میں لقمۂ طعام ڈالے تو بھی اللہ کی رضا کو مدِنظر رکھ۔

یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے کہ نیتوں کو خوب جان لینا چاہیئے اس لئے کہ سب سے بلیغ عمل وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ اچھی نیت شامل ہو۔ حضرت زید شامی فرمایا کرتے تھے کہ میں "نیت" کو اتنا اہم سمجھتا ہوں کہ کھانے پینے تک کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی نیت کو پرکھ لیتا ہوں۔

حضرت داؤد طائی کا فرمان ہے کہ

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں میں نے اعمال میں کوئی عمل اتنا مشکل محسوس نہیں کیا جتنا کہ نیت کے اچھا رکھنے کو مشکل تصور کیا۔

یوسف بن اسباطؒ کا قول ہے کہ عمل کرنے والوں کے لئے محنت اور مشقت کرنے سے بھی زیادہ مشکل نیّت کا خالص رکھنا ہوتا ہے۔

مطرف بن عبداللہؒ فرمایا کرتے تھے کہ دل کا ٹھیک رہنا عمل کے ٹھیک رہنے پر موقوف ہے۔ اور عمل کا ٹھیک رہنا نیت کے ٹھیک رہنے پر موقوف ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نیت ہی ہے کہ اس کی وجہ سے کبھی عمل چھوٹا ہوتا ہے اور اللہ اسے بڑا سمجھتے ہیں اور کبھی عمل بڑا ہوتا ہے اور اللہ اسے چھوٹا سمجھتے ہیں۔

حسنِ نیت کا مفہوم حقیقی

بزرگوں نے نیّت کے اچھا رکھنے اور اچھا کرنے پر اس قدر زور دیا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیّت کے اچھا ہونے سے مراد کیا ہے؟ اس حقیقت سے پردہ ہٹانے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاصِ حقیقی کی راہ میں پڑنے والی رکاوٹوں کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ "حسنِ نیت" کا مفہوم خود بخود اجاگر ہو جائے۔ نیتوں کو خراب کرنے والی عموماً دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ داخلی اور خارجی اور پھر ہر دو میں نفسانیت کا تعلق

اس طرح ہوتا ہے جس طرح برقی تاروں میں بجلی کی لہریں دوڑتی ہیں۔ وہ پہلا محرک جس سے اخلاص معدوم اور نیت فاسد ہوتی ہے۔ اسلام سے ناآشنائی اور خدائی معرفت کا فقدان ہے۔ انسان جتنا مقصدِ زیست سے بعید ہوگا اتنا ہی اخلاص کی دولت سے محروم ہو گا۔ عقائد پر توحید اور رسالت کی گرفت جتنی مضبوط ہوگی اعمال میں اتنا ہی اخلاص کا نور رہے گا اور یہ احساس بھی نمایاں کہ کہیں نیت میں فتور نہ آجائے اور سرزد ہونے والے ہر عمل کے بارے میں یہ کھٹکا لگا رہے گا کہ آیا اس عمل میں خدا راضی ہے یا نہیں نیتوں کی چھان بین اور پرکھ دید کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اعمال کے محرکات دیکھ لئے جائیں اور پھر ایک خاص معیار قائم کر کے انسانی ارادوں کو اسی کا پابند بنایا جائے۔ اعمال کا صدور بنیادی طور پر انسانی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کھانا، پینا، پہننا اور رہنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور ان کی بھرپور تکمیل کے لئے حضرتِ انسان سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ صدر ضروریات جہاں انسانی فطرت کے تقاضے ہیں وہاں نظامِ فطرت اس بات کا متقاضی بھی ہے کہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا ایک دائرۂ کار یا دائرۂ اخلاق متعین کر لیا جائے تاکہ انسانی کاوشوں میں تصادم اور فساد واقع نہ ہو اور زمین فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ انسانوں کی یہ ضرورت دنیا میں رائج مختلف معاشی اور سیاسی قوانین پورا کرنے کی سعی میں رہتے ہیں لیکن ضعیف اور کمزور سوچ کا نتیجہ ہونے کے اعتبار سے یہ افکارِ انسانیت کو مسائل کی دلدل سے نکالنے میں سراسر ناکام رہتے ہیں اور اس کے برعکس فطرت انسان کے لئے جہاں مسائل پیدا کرتی ہے وہاں ان کا قابلِ عمل قسم کا حل بھی پیش کرتی ہے اور ظاہر ہے انسانوں کے لئے فطرت کا یہ عظیم عطیہ نظامِ مصطفٰےؐ کی صورت میں موجود ہے۔ اب اعمال کے اس بنیادی محرک جسے ہم نے انسانی ضرورتوں کے نام سے معنون کیا کی تکمیل کے لئے حسنِ نیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان اپنی ضرورتیں پوری کرنے میں اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اس قانون کی تابع داری کرے

جو اللہ رب العزت نے اسے عطا فرمایا ہے۔ جائز ناجائز، روا ناروا اور حلال حرام کی تمیز برتی جائے۔

اعمال کے صدور میں دوسرا محرک انسانی جذبات ہیں۔ محبت و نفرت، حسد و رقابت غم و غصہ، کینہ و رشک اور مودت و مروت یہ ساری چیزیں جذبات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ جذبات میں نیت کا حسن قائم رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دل سے اٹھنے والے جذبات کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں تعمیر کا پہلو کتنا ہے اور تخریب کا وجود کس قدر ہے گویا جذبات کے ساتھ "حسن نیت" کی قید لگانا یہ مطلب رکھے گا کہ جذبات کو بھی احساسات کا رنگ دیا جائے۔ علمائے نفسیات کے نزدیک یہ بات کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو بہر حال وہ اس کے محمود ہونے کے قائل ضرور ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ احساسات و جذبات کا یہ حسین امتزاج اسلام کے سوا کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔

ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف ہم اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں انسانی جد و جہد نظریۂ ضرورت" کی پابند نہیں۔ انسان اپنی خواہشات کے ہاتھوں جب مجبور ہو جاتا ہے تو وہ تمام ترقیود و حدود مٹا کر لامحدود فضا کا سیار بننا پسند کرتا ہے اور ظاہر ہے۔ یہ خواہشات جہاں آدمی میں عمل کا سریع داعیہ پیدا کرتی ہیں وہاں بعض اوقات دوسرے انسانوں کی حقوق تلفی پر بھی جاکر منتج ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت نے شتر بے مہار پیدا نہیں فرمایا کہ وہ جو سوچے وہی کر ڈالے بلکہ اس کی خواہشات کو زیر گرفت رکھنے کے لئے ایک ایسا ضابطہ عطا کیا جس کی ہر جہت خوبی و کمال کا نور رکھتی ہے اور وہ ضابطہ "انسانِ مرتقی" بننے کا ہے۔ اسلام میں کسی ایسی خواہش کی اجازت نہیں دی جاسکتی جس کو بروئے عمل لانے کے بعد نفس بے چین اور انسان نقصان افروز ماحول میں جا پڑے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام ایسی خواہشات کی سختی سے مذمت کرتا ہے جو فطرت کی مقرر کردہ حدود سے

متجاوز ہو جائیں۔ یہ خواہشات و شہوات ہی ہوتی ہیں جو نفس پرستی، ذات خواہی، جاہ طلبی، ریاکاری، شہرت خواہی اور مادہ بندگی ایسے امراض پیدا کرتی ہیں۔ ان موذی بیماریوں سے بچنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اعمال کا صدور جذبات کے ہاتھوں ہو یا ضروریات کی تکمیل کے لئے خواہشات ان کا محرک ہوں یا شہوات اللہ کی رضا کا پہلو ان میں غالب رکھا جائے اور اس قانون اور ضابطہ کو کسی بھی صورت میں ترک نہ کیا جائے جو اللہ سبحانہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے انسانوں کو عطا فرمایا۔

اخلاص کی اہمیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ فَارَقَ الدُّنْیَا عَلَی الاخلاصِ لِلّٰہِ تَعَالٰی و اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ فَارَقَھَا وَ اللّٰہُ عَنْہُ رَاضٍ

(رواہ۔ ابن ماجہ والحاکم)

جو شخص دنیا سے اس طرح اٹھا کہ اللہ کے لئے وہ مخلص تھا، نماز قائم کی تھی اور زکوٰۃ ادا کر رہا تھا تو یہ سمجھو کہ اس نے دنیا کو یوں چھوڑا کہ اللہ اس سے راضی تھا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان ہی کو اخلاص قرار دیا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:۔

طُوبٰی لِلْمُخْلِصِیْنَ اُولٰئِکَ مَصَابِیْحُ الْھُدٰی تَنْجَلِیْ عَنْھُمْ کُلُّ فِتْنَۃٍ ظَلْمَاءَ (رواہ البیھقی)

مبارک ہو اخلاص رکھنے والوں کو یہ لوگ ہدایت کے تاباں چراغ ہوتے ہیں اور ان ہی کے دم قدم سے سیاہ فتنے دور ہوتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

بے شک اس شخص نے نجات حاصل کی جس نے اپنے دل کو ایمان کے لئے خالص کرتے ہوئے اسے محفوظ بنا لیا۔ اسی طرح اپنی زبان کو سچا، نفس کو مطمئن، عبادات کو صحیح، کان کو سننے والا (خیر کا) اور آنکھ کو دیکھنے والا (آیات اللہ کو) بنا لیا (اس نے بھی نجات حاصل کی)

الترغیب والترہیب میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بعض صحابہ سے افضل سمجھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا اس امت کی مدد اس امت کے کمزور لوگوں اور ان کی نماز اور اخلاص کی وجہ سے کرتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلدُّنیا مَلعُونَۃٌ و مَلعُونٌ مَافِیھا الا ابتغیٰ بہٖ وَجہُ اللّٰہ تعالیٰ

(الترغیب)

دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے بجز اس چیز کے جس سے خدا کی رضا چاہی گئی ہو۔

حضرت ضحاک بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو اللہ وہ اعمال قبول نہیں فرماتا جن میں اخلاص نہ ہو۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین میں اخلاص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی تمہیں کفایت کرے گا۔

صاحب الترغیب نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! ایک آدمی جہاد کرتا ہے اور اجر اور شہرت ہر دو کا خواہشگار ہوتا ہے اسے کیا ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا شَیئَ لَہٗ" اس کے لئے کچھ نہیں۔ سائل نے تین مرتبہ پوچھا اور آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا "لا شَیئَ لَہٗ" اس کے لئے

کچھ نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمانے لگے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَّ ابْتُغِیَ وَجْھُہٗ۔

(رواہ۔ ابو داؤد)

اللہ کوئی ایسا عمل قبول نہیں فرماتا جو خالص اُسی کے لئے نہ ہو اور اُس سے اس کی رضا نہ چاہی گئی ہو۔

اخلاص کا فقدان اور اس کا وبال

اسے بدقسمتی سمجھئے کہ ہمارے معاشرے کا رجحان نیکی کی طرف نہ ہونے کے برابر ہے اور دین و مذہب کو فیشن (FASHION) سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہاں تک کہ پنجگانہ ادا کرنا بھی بوجھ تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہ کہ نیکی اگر کہیں دکھائی بھی دے تو اخلاص کی حد تک اس کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے جبکہ مختلف امور کا خالص ہونا ہی معاشرے کی ضرورتوں کو حقیقتاً پورا کرتا ہے۔ بزرگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کسی عمل کے بجا لانے میں اگر ایک نیت دین کی ہو اور ایک دنیا کی تو یہ بھی اخلاص کو ختم کرنے والی چیز ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے چلو نماز پڑھ لیتا ہوں اس سے ایک طرف فریضہ بھی ادا ہو جائے گا اور دوسری طرف بدنی مشق (EXERCISE) بھی ہو جائے گی۔ یا ایک دوسرا آدمی ہو جو ڈاڑھی بڑھائے اور نیت یہ رکھے کہ ایک طرف سنّت پر عمل حاصل ہو جائے گا اور دوسری طرف شیو وغیرہ کی زحمت سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو جائے گا۔

رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریفہ میں کتنی عبرتیں ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یُجَاءُ بِالدُّنْیَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ مِیْزُوْا مَا کَانَ مِنْھَا لِلّٰہِ فَیُمَانُ وَ یُرْمٰی سَائِرُہٗ فِی النَّارِ۔

"قیامت کے دن دنیا حاضر کی جائے گی اور کہا جائے گا جو کچھ اس میں اللہ کے لئے ہے اسے الگ کر دو پس وہ اس سے الگ کر دیا جائے گا اور باقی سب کچھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

"مخلصین فی النیۃ" قرآن کی روشنی میں

سورہ اعراف میں "دین" کے معاملہ میں اخلاص برتنے کا حکم صادر فرماتے ہوئے کہا :۔

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

اور اسی کی عبادت کرو بندگی میں اخلاص برتتے ہوئے۔

سورہ زمر میں ارشاد فرمایا :۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

"عبادت کرو اللہ کی اطاعت میں اخلاص کے ساتھ"

صدقات و زکوٰۃ کا وہ مال جو محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ادا کیا جائے اس کی برکات کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ فرمایا :۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(الروم : ۳۸)

"اور رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ کی رضا کا ارادہ رکھتے ہوں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔"

سورہ روم ہی میں ایک دوسری جگہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا :۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ

هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم : ۳۹)

"اور جو کچھ تم دیتے ہوئے زکوٰۃ سے اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو ایسے ہی لوگوں کے لئے دونا (اجر و برکت) ہے۔"

وہ لوگ جو "انفاق فی سبیل اللہ" میں خدا کی رضا ڈھونڈتے ہیں اللہ ربّ العزّۃ انہیں جو رحمتیں اور برکتیں عطا فرماتا ہے ان کا نقشہ قرآن حکیم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے :۔

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرۃ : ۲۶۵)

"مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو محض اللہ کی رضا جوئی اور دلوں کی تثبیت کے لئے خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے کسی اونچے مقام پہ ایک باغ ہو اور اسے زوردار پانی پہنچے اور اس طرح نتیجۃً وہ دوگنے پھل دے اور زوردار پانی نہ پہنچنے کی صورت میں اس کے لئے شبنم ہی کافی ہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔"

جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے اچھی عادات رکھنے والے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے اچھی خصلتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی رضا اور مرضی خدا کی رضا اور مرضی میں گم کر لیتے ہیں انہی کی مجلس اس قابل ہوتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس کا پابند بنائے۔

سورۃ "کہف" میں ربّ قدوس نے ارشاد فرمایا :۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ

الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج
تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا
قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

(الکہف : ۲۸)

"اپنی جان کو ان ہی کا پابند رکھ جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہ اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیریئے۔ کیا تم دنیوی زندگی کا سنگار چاہو گے۔ اور ایسے شخص کی اطاعت مت کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا دیا ہے اور وہ تھا ہی ایسا کہ خواہشوں کا تابعدار ہوتا اور ہر معاملہ میں حد سے گزر جاتا۔"

اس مبینہ حقیقت سے مزید پردہ ہٹاتے ہوئے خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط (الانعام : ۵۲)

"اور دور نہ کرو ان لوگوں کو جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔"

اللہ کے ہاں صرف وہی عمل اور سعی مقبول ہوتی ہے جس میں ایمان و ایقان کے ساتھ ساتھ ارادۂ آخرت شامل ہو۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۱۹)

"اور جو ارادہ کرے آخرت کا اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگی۔"

وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہیں انہیں قرآن حکیم میں نجات و فلاح کی ضمانت ان الفاظ میں مہیا کی گئی۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ الخ۔ (الروم: ۳۸)

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف جس پیرایہ میں کی گئی ملاحظہ ہو۔ اس میں بھی ان کی ایک صفت خدا کی رضا چاہنا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ (الفتح: ۲۹)

" محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ وہ رکوع کرتے اور سجدوں میں گرتے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اپنی جانوں کو محض اللہ جل وعلا کی خوشنودی کے لئے قربان کر دیتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اپنی جانوں پر اپنا حق ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے جان باز لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○ (البقرہ: ۲۰۷)

" اور لوگوں میں سے ایک شخص جو اپنی جان تک اللہ کی رضا چاہتے ہوئے بیچ دیتا (کیا کہنا اس کا) اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔"

سورہ "الیل" میں جہاں دوزخ سے بچنے کے لئے بہت سے امور کی نشاندہی کی گئی وہاں رضائے رب ملحوظ عمل رکھنے کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰۤی ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ

رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝ (الیل : ۱۹، ۲۰)

" اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔" (ترجمہ اعلحضرت)

"ریاکاری قرآنِ حکیم کی روشنی میں"

اخلاص کی ضد "ریا" ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں "ریا" نہ صرف "محمود" نہیں بلکہ اعمال کے لئے مُحبط بھی ہے۔ قرآنِ حکیم میں جا بجا اس کی مذمت کی گئی ہے۔

وہ لوگ جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے عمل کرتے ہیں اور خدا کی رضا ان کا مقصود نہیں ہوتا خصوصاً نماز ادا کرتے ہوئے "ذِکر اللہ" کا پہلو ان کی عبادت پر حاوی نہیں بلکہ مقصد صرف لوگوں پر اپنی پارسائی کا رعب جمانا ہوتا ہے ان کی مذمت قرآن پاک نے ان الفاظ کے ساتھ کی۔

الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

(الماعون : ۵، ۶، ۷)

" اور وہ لوگ جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور دکھاوا کرتے ہیں اور عام استعمال کی چیزیں مانگے نہیں دیتے۔

اسی طرح جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن مقصد ریاکاری کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

(النساء : ۱۴۲)

" دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ذِکر نہیں کرتے اللہ کا مگر تھوڑا ہی"۔

ایسے لوگ جو اموال کو بظاہر خدا کے راستے میں لگانے اور کھپانے کا دعویٰ کرتے

ہیں لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کو دے کر احسان جتلاتے ہیں اور اس طرح اپنی بڑائی اور دولت مندی کی ساکھ بڑھانا چاہتے ہیں اور یہ انداز در اصل خدا پرستی کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ ریا ہی ریا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس حقیقت سے یوں نقاب سرکتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ (البقرہ: ۲۶۴)

"اے ایمان والو نہ باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا دیکر اس شخص کی طرح جو اپنا مال تو خرچ کرتا ہے مگر لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور آخرت پر"۔

ریاء کاری اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَمِائَةِ مَرَّةٍ۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ يَدْخُلُهٗ؟ قَالَ أُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ بِاَعْمَالِهِمْ وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْأُمَرَاءَ، وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ الْأُمَرَاءَ الْجَوَرَةَ وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِنَحْوِهٖ إِلَّا أَنَّهٗ قَالَ يُلْقَى فِيْهِ الْغَرَّارُوْنَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: وَمَا الْغَرَّارُوْنَ؟ قَالَ الْمُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا۔

"غم کے گڑھے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ!

"غم کا گڑھا" کیا ہوتا ہے فرمایا: یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی بذات خود ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ اس غم کے گڑھے میں کون لوگ داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان علماء کے لئے تیار کیا گیا ہے جو اپنے اعمال میں دکھلاوا کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک سب سے برے علماء وہ ہوتے ہیں جو حاکموں کی زیارت کرتے ہیں۔ بعض نسخوں میں امراء کے ساتھ ظالم کی قید بھی لگائی گئی ہے۔ طبرانی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس وادی میں "عَزَارُون" پھینکے جائیں گے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ "عزارون" کون لوگ ہوتے ہیں آپ نے فرمایا جو لوگ دنیا میں اپنے اعمال میں دکھلاوا برتتے ہیں۔

الترغیب والترهیب

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے دیکھا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر بیٹھے رو رہے تھے۔ امیرالمومنین نے پوچھا معاذ! "روتے کس لئے ہو"۔ آپ نے فرمایا ایک حدیث ہے جو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ "ریا" تھوڑی سی بھی ہو شرک ہے۔

حضرت قاسم بن مخیمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَمَلًا فِيْهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ رِيَا۔

" اللہ تعالیٰ کوئی ایسا عمل قبول نہیں فرماتے جس میں رائی برابر بھی "دکھاوا" شامل ہو۔"

حضرت شداد رضی اللہ عنہ، اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں "ریا" کو شرک اصغر تصور کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے عمل کو مشہور کرے گا اللہ اس کو اپنی مجلسوں میں برائی کے ساتھ مشہور کر دے گا اور یہ بھی کہ اس کو ذلیل اور حقیر کر دے گا۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے معاملہ میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا "دکھاوا"

حضرت ربیع بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، اپنے والد اور وہ اپنے جد سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ صلوۃ والسلام ہمارے پاس تشریف لائے اور اس وقت ہم "دجال" کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا فتنہ نہ بتادوں جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہم سب نے مل کر کہا "ہاں" یارسول اللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الشرک الخفی" یعنی چھپا ہوا شرک یہ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا اور اسے خوب مزین کرے گا لیکن مقصد محض لوگوں کو "دکھلانا" ہو گا۔

ایک مرتبہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، خوب روئے آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ روتے کس لئے ہیں۔ آپ فرمانے لگے ایک حدیث ہے جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ مجھے رلا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اور چھپی ہوئی شہوت کا ہے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی امت آپکے بعد شرک کرنے لگے گی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ وہ سورج اور چاند کو پوجنے لگ جائیں گے نہیں ایسے نہیں کریں گے لیکن "دکھلاوا" کرنے لگیں گے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات کا ایک دلچسپ مفہوم

محدثین نے مذکورہ صدر حدیث شریف کے محولہ ٹکڑے کی تشریح اس طرح بھی کی ہے کہ کسی عمل کے لئے نیت کرنے کے ساتھ ہی عنداللہ اجر ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ الْحَاجِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ مَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ الْمُعْتَمِرِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ۝

"جو شخص حج کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک حاجی کا اجر ہے۔ اسی طرح جو شخص عمرہ کرنے کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک معتمر کا ثواب ہے۔"

یہاں صرف نیت کی وجہ سے حج اور عمرہ کا ثواب اللہ نے عطا فرما دیا۔

اِنَّمَا لِاِمْرِیءٍ مَّا نَوٰی کا مطلب

اس جملہ کا عام فہم مطلب تو یہی ہے کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہو گی۔ اس لحاظ سے یہ حصہ حدیث شریف کے پہلے حصہ کا مؤکد ہے۔ بعض محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ "الاعمال بالنیات" سے مراد ہر عمل کے لئے نیت کا موجود ہونا مراد ہے اور مذکورہ حصہ سے اخلاص کے موجود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وہ مفہوم ہے جسے قاضی بیضاوی اور طیبی اور ملا علی قاری وغیرھم بزرگوں نے اختیار کیا ہے۔

رجوع الی الحدیث

اعمال کا حسن نیتوں کے اچھا ہونے کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس روشن اور بیّن اصول کو مزید واضح کرنے کے لئے بطور خاص ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے ثمراتِ ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوئی ہے اور جو دنیا یا عورت بھی چاہتا ہے اس کی جد وجہد کا ثمرہ باعتبار نیت دنیا یا عورت ہی ہوتی ہے۔

افصح الناس محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس بہار بداماں حدیث میں ہجرت کا لفظ مفہوم کے لحاظ سے از حد گہرائی اور وسعت رکھتا ہے۔

ہجرت کا لغوی معنیٰ

امام راغب اصفہانی نے المفردات میں "ھجر" اور "ھجران" کا معنیٰ کسی ایک شخص کا دوسرے شخص سے مفارقت اختیار کرنا اور جدا ہونا لکھا ہے۔ نیز امام نے یہ صراحت بھی کی کہ ہجرت کا لفظ قلبی، لسانی اور بدنی ہر قسم کی جدائی پر اطلاق پذیر ہوتا ہے۔

"منتھی الادب" کا مصنف لکھتا ہے کہ "ھجر" کا معنیٰ جدا ہونا یا دراز ہونا ہوتا ہے۔ اور "ھِجر" اونٹ کو کہہ دیتے ہیں۔ اور "ھُجر" سخت اور دل آزار قسم کی گفتگو کو کہتے ہیں۔ اسی سے نازیبا باتوں کو مہاجرات کہا جاتا ہے۔ صُراح نے "ھجیر" کا معنیٰ زوال سے عصر تک کا درمیانہ وقت لکھا ہے۔ اسی سے نماز میں سبقت لے جانے کے عمل کو "تہجیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معجم البلدان نے "ھَجَر" یمن کے ایک شہر اور مدینۃ الرسول سے قریب ایک دیہات کا نام لکھا ہے۔ ابن فارس نے "ہجرت" کا معنیٰ جدا ہونے کے علاوہ کس کر باندھنے سے بھی کیا ہے۔ لغت کی مختلف کتب کی مدد سے ہجرت کا لغوی معنیٰ چھوڑ دینا، جدا ہو جانا کاٹ دینا۔ قطع تعلقی کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔

ہجرت کا شرعی اور اصطلاحی معنیٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے "فتح الباری" میں ہجرت کا معنیٰ جہاں ترک کرنا اور منتقل کرنا لکھا وہاں آپ نے یہ صراحت بھی فرمائی کہ ہجرت کا اطلاق شرعاً "ترک ما نہی اللہ عنہ" پر ہوتا ہے۔ یعنی ان چیزوں کو چھوڑ دینا جن سے اللہ نے منع فرمایا ہو۔ علامہ قسطلانیؒ نے ہجرت کی دو عمومی صورتیں لکھیں۔ ایک دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت اور دوسری دارالکفر سے دارالایمان کی طرف ہجرت علامہ موصوف کے اس قول سے یہ مفہوم اخذ کرنا مشکل نہیں کہ شرعی ہجرت کا مفہوم صرف ترکِ وطن نہیں ہوتا بلکہ کسی مردِ مومن کا نظامِ خدا کی تنفیذی جدوجہد میں کسی ایک ماحول کو ناسازگار پاکر کسی ایسی جگہ چلا جانا جہاں خدا کے نظام کے لئے فضا سازگار ہو ہجرت کہلاتی ہے۔

ہجرت کی اسی مقصدیت کی اولین اساس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکی معاشرت ترک کر کے مدینہ چلے آنا ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے ذہن میں ہجرت کا لفظ پڑھنے سے جو فوری تصور پیدا ہوتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مدنی معیشت کا اختیار کرنا ہے۔

ہجرت قیام حق اور تربیت ملت کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس راہ میں جہاں تحریک حق کے اراکین کو خطرات پیش آتے ہیں وہاں روحانی اور مادی لحاظ سے منفعت کے بھی بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہی نرعومہ منفی یا مثبت پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت میں حسن نیت کو از حد اہم قرار دیا۔

یہ ہجرت ہی تھی جس نے ماضی میں تاریخ انسانی کے دھاروں کو بدل کر رکھ دیا۔ اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی کامیابیوں کے وہ دروازے کھولے جو اس سے پہلے ناممکن دکھائی دے رہے تھے۔ ہجرت آج بھی یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ جفاکشی

جہاں دری اور ایثار نے ان مٹ نقوش مرتسم کرتے ہوئے قوموں کی تقدیریں بدل دیں۔ ہجرت کو جہاں انبیاء اور مرسلین کی تاریخ میں ایک وقیع مقام حاصل ہے وہاں یہ تشکیل اجتماعیت اور تنظیم ملت کے لئے ایک موثر ہتھیار کی حیثیت بھی رکھتی ہے، وطنیت نسل پرستی اور جاہلانہ عصبیت سے ہجرت ہی کی راہ پر چل کر نجات ممکن العمل ہو سکتی ہے۔ ہمارا شاندار ماضی کمال عدالت کے ساتھ اس امر پر گواہی مہیا کرتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہجرت کی اس معطی ذات نے اس جولانگاہ الفت میں ان کو تربیت کے وہ مواقع فراہم کئے کہ ان کی بہترین صلاحیتیں ارضی معاشرے کو عرشی معاشرت کا رنگ دینے میں کامیاب ہو گئیں۔ ہجرت کے یہی دور رس اثرات ہیں جن سے انسانیت کو جلا ملی، آدمیت کی اعلیٰ اقدار پروان چڑھیں اور عدالت اور مروت کا سر اونچا ہوا۔

رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا محولہ ارشاد گرامی جہاں نیتوں کے حسن پر زور دیتا ہے وہاں اپنی جگہ ہجرت کی فضیلت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی ہجرت الی اللہ کا کمال نمونہ رکھتی تھی اور آپ کو پسند بھی یہی تھا کہ دنیا میں رہنے والا ایک ایک انسان یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ اس کی اصل حیثیت مہاجر فی سبیل اللہ ہی کی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسانیت کا وہ کاروان جس کی منزل صرف اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہو۔ وہ ایک طرف مادی علائق سے اپنی پاک فطرت کے بل بوتے پر ہجرت اختیار کرتا ہے وہاں اس شہادت گاہ محبت میں کامیابیاں بھی اسی کے قدم چومتی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اہمیت پر ایک مرتبہ اس طرح روشنی ڈالی۔ فرمایا: اللہ اور رسول کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہجرت کرنے والے قیامت کے دن سورج کی طرح چمکنے والے نور کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ اسی

طرح ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہجرت اگر نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔

فضیلت ہجرت اور قرآن حکیم

وہ تابندہ بخت لوگ جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت کی اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں جابجا ان کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس طرح قرآنی احکام وفضائل کے عمومی اثرات ہر زمانے میں ان لوگوں کے حق میں ظاہر ہو گئے جنہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے ہجرت کو اختیار کرنے کی سعی کی۔

سورہ آل عمران میں اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران ۱۹۵)

"وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکل گئے اور میری راہ میں ستائے گئے تو میں ضرور ان کی لغزشوں کو محو کروں گا۔ انہیں ایسی جنت میں داخل کروں گا جہاں نہریں رواں دواں ہوں گی۔ یہ اللہ کی طرف سے جزا ہوگی اور حقیقت میں ثواب تو اللہ ہی کے پاس اچھا ہے۔"

ایک جگہ مہاجرین کی فضیلت یوں بیان فرمائی:۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْفَآئِزُوْنَ ۝ (التوبہ : ۲۰)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور پھر اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا۔ اللہ کے ہاں ایسے لوگوں کا رتبہ بہت بلند ہے اور یہی لوگ کامیابیاں حاصل کرنے والے ہیں۔"

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں سے "رزق حسن" دینے کا وعدہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (الحج ۵۸)

"وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیئے گئے یا مارے گئے اللہ ان کو رزق حسنہ عطا فرمائے گا۔ بے شک وہ بہتر عطا کرنیوالا ہے۔"

سورہ الانفال نے ہجرت کو اسلام میں اخلاص کا معیار قرار دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ ۝ (الانفال - ۷۲)

"بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی بس یہ ہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو رحمت کا سزاوار قرار دیا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ (البقرہ : ۲۱۸)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی لوگ ہیں جن کے بارے رحمت کی امید ہو سکتی ہے۔"

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے اگر راہ میں مر جائیں انہیں شہید قرار دیا گیا:

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ (النساء ۱۰۰)

"جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا بن کر اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آلے تو اس کا اجر اللہ پر ثابت ہو جاتا ہے"

ایسے مومن جو اللہ کی راہ میں ہجرت کریں اُن سے بہتر ٹھکانا دینے کا وعدہ کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

(النحل ۴۱)

"وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر، ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔"

ہجرت کا عمومی اطلاق اور رضائے خدا

اسلامی تاریخ میں اگرچہ ہجرت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص مبارک سفر مراد ہے اور اس کا اطلاق اصطلاحاً تنفیذِ حق کے لئے ترکِ وطن اور نقلِ مکانی پر ہوتا ہے لیکن لغت کے اعتبار سے چھوڑنے، ترک کرنے، ناراض ہونے، نیند میں بڑبڑانے اور جذبات پر قابو رکھنے میں ہجرت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریفہ کو کسی ایک معنیٰ کے ساتھ مقید اور محصور نہیں کیا جا سکتا جبکہ ان تمام مفاہیم ہی میں رضائے خدا اور خوشنودی مصطفےٰ کو غالب رکھنے کا معنیٰ حدیث رسولؐ کا مقصد قرار دیا جائے گا۔

ایک نکتہ

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور جو شخص عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے پالیتا ہے اور دنیا کا طالب دنیا حاصل کرلیتا ہے۔ انسانی جدوجہد کے ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ وہ نیت کرتا ہے اور وہی ملتا ہے جس کی طرف وہ سعی کرتا ہے اور ویسے ہی ملتا ہے جیسے اخلاص سے وہ کوشش کرتا ہے۔ اس ضابطہ کے تحت جتنا کوئی مخلص فی العمل زیادہ ہوگا اسے مقصود کی باریابی جلدی ہوگی۔ اور جتنا ارادوں میں وسعت ہوگی اتنا ہی مطلوب ہمہ گیر اثرات اور ثمرات عطا کرے گا۔ اور جسے حاصل کرنے کی لگن ہوگی اسی دولت سے طالب بہرہ مند ہوگا۔

لَاهِجرَةَ بَعدَ الفَتح کا مفہوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں "فضیلت ہجرت" میں احادیث مروی ہیں وہاں کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ "ہجرت" اب منقطع ہو چکی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا هِجرَةَ بَعدَ الفَتحِ وَلٰكِن جِهَادٌ وَّ نِيَّةٌ

"فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے سوائے اس کے کہ جہاد اور نیت ہے"

مجاشع بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر "ہجرت" کی بیعت کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا ہجرت تو ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ بخاری ہی نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا هِجرَةَ بَعدَ رَسُولِ اللهِ

"اللہ کے رسول کے بعد ہجرت نہیں"۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ان روایات سے گرچہ محدثین نے یہی مفہوم اخذ کیا ہے کہ ہجرت کی اجازت میں جتنی احادیث ہیں اُن سے مراد فرض ہجرت ہے اور محولہ روایات سے مراد مستحب ہجرت ہے جبکہ شراح بخاری نے کا قول نقل کیا ہے اور فیوض الباری کے مصنف نے ابن اثیر کا جو قول نقل کیا اس کے مطابق "ہجرت رسول" کے بعد کوئی ایسی ہجرت نہیں جس پر جنت کا وعدہ یقینی ہو۔ اس نوعیت کی ہجرت اب منقطع ہو چکی ہے۔ مذکورہ صدر احادیث کی تطبیق میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ہجرت کے ثمرات اور اثرات" واضح فرماتے ہوئے **لا ھجرہ بعد الفتح** " ایسے اقوال ارشاد فرمائے جن کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کوئی ایسی ہجرت کبھی نہیں ہو سکتی جس کے نتائج "ہجرت رسول" کی طرح ہوں۔ ظاہر ہے اس نوعیت کی ہجرت جائز تصور کرنے کا صاف مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب سے بڑا انقلاب لانا ہے جو چاروں جہت محال ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کسی اچھا پڑھنے والے کے لئے کہہ دیں کہ بھائی پڑھنا تو فلاں پر ختم ہے۔ اب **لا ھجرۃ بعد الرسول** کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہجرت کی منفعت اپنے کمال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ میری اس توجیہہ کے مؤید بخاری کے یہ الفاظ بھی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنْقَضَتِ الْهِجْرَةُ اَهْلِهَا

"ہجرت تو ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ختم ہوگئی"۔

دوسرا یہ بھی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی اجازت عام فرما دیتے تو کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ جو بھی "مصائب اور کرائب" سے تنگ آجاتا تو دینی تحریک کو ادھورا چھوڑ کر چلتا بنتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نوعیت کے ارشادات صبر اور مصابرہ، استقامت اور حق پر ثبات کا درس دیتے ہیں۔ ایسے نہیں کہ جس پر تھوڑی مصیبت آئے وہی حق کا کاج چھوڑے اور کسی دوسری نگری میں کام شروع کرے، اور پھر جب وہ صداقت کا پودا لگ جائے تو مشکل حالات میں وہاں ہجرت کا سہارا لے کر فرار کی راہ اختیار کرے۔ "لا ھجرۃ بعد الفتح" کا واضح مطلب تحریک حق کے کارکنوں کو ثبات اور استقامت کی جنگ لڑنے کی تلقین ہے۔ البتہ حق کے پروان چڑھنے کے مواقع اگر ہجرت کی صورت میں زیادہ روشن ہوں تو ہجرت ممنوع بھی نہیں۔

حدیث میں دنیا اور عورت کا ذکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک قول کا عمود چونکہ اصلاح نیت ہے اور نیت کی خرابی عموماً دنیا طلبی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حبِ زر، طلبِ شہرت، اتباع خواہشات دنیا خواہی ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ البتہ حدیث میں "عورت" کے علیحدہ ذکر کرنے کے باب میں محدثین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حدیث کی شان ورود دیکھی جائے تو ایک عورت ہی کے واقعہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا دوسرا یہ ہے کہ دُنیا جس طرح انسان کو جادۂ حق سے پھیر دیتی ہے۔ بعینہ عورت خواہی اور زن پرستی بھی انسان کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ قوی قرینہ یہی ہے جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں عورت کا ذکر فرمایا۔ میرے جدِ امجد بھی اس کی ایک توجیہہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس وقت صحابہ نے کمال قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہجرت فرمائی تو انصار نے دِل کھول کر ان کی مدد فرمائی یہاں تک کہ جس کی دو عورتیں تھیں اس نے ایک عورت کو طلاق دے کر کسی مہاجر صحابی کے حوالے کرنا پسند کیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نیت کو پاکیزہ رکھنے اور فساد احوال سے بچنے کے لئے حدیث میں عورت کا ذکر فرمایا۔